ڈاکٹر عرفان عباسی کی تذکرہ شناسی

Tazkra Shanasi of Dr Irfan Saddiqui

ڈاکٹر زیب النساء، پنجاب ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ، پاکستان

Dr Zaibunasa, Punjab education department

رمشا کنول، پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

Rimsha Kanwal, PhD Scholar, Deptt of Urdu, GCUF

ڈاکٹر ظفر حسین ہرل، ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، بہاء الدین زکریہ یونیورسٹی، ملتان

Dr. Zafar Hussain Harrel, Deptt of Urdu, BZU, Multan

Abstract

Dr. Irfan Abbasi is a well-known Tazkira Nigar of Urdu literature.When his Tazkira Nigari gained popularity and recognition, he began to contact poets from all over the country where Uttar Pradesh poets were present, and started collecting their biographical introductions and sample poetry. In this way, he compiled sketches and Tazkiras such as “Aap”, “Aap Hain”, “Aap The”, and "Shuara-e-Uttar Pradesh". “Aap” contains sketches and Tazkiras of fifty deceased poets related to the Lucknow School. “Aap Hain” contains biographical references, poetry, and pictures of existing poets from Uttar Pradesh. “Aap The” contains sketches and Tazkiras of poets from the towns of Awadh. Then the series of “Shuara-e-Uttar Pradesh” continues further. Approximately thirty-two volumes have been published, each containing fifty poets’ Tazkiras.

Dr. Abbasi’s work in compiling authentic biographies, personal characteristics, selected poetry, birth and death years, as well as pictures of poets is of great importance to researchers. In particular, “Shuara-e-Uttar Pradesh” is a high-level and authentic research achievement by Dr. Abbasi that cannot be forgotten in the history of Urdu literature. One special feature of this Tazkira is that he did not focus only on important schools of Urdu but also searched for poets from towns, villages, hamlets, rural areas, and even unknown alleys whose poetry was valuable despite being far from literary circles1. Because generally researchers and scholars only cover big personalities.

Key Words: Tazkra Nigari, Irfan Abbasi ,Biography,
History of Urdu , Tradition.

کلیدی الفاظ: تذکرہ نگاری، عرفان عباسی، آپ بیتی، تاریخ اردو، روایت

اس بات میں شک کی کوئی گنجائش نہیں کہ تذکرہ ہماری ادبی اور تنقیدی روایت کا بیش قیمت حصہ اور اثاثہ ہے۔ تذکروں کے بغیر نہ تو ہم ادب کی تخلیق اور شعر کی تعمیر میں کار فرما شعریاتی نظام تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں اور نہ ہی ادبی روایت میں تسلسل کی تلاش کو حقیقت میں بدلنے پر قادر ہو سکتے ہیں۔ یہ تذکرے ہی ہیں جو ہمیں ہماری شاعری کو اس کی اپنی ایجاد کردہ اصطلاحات اور شعری تصورات کی روشنی میں سمجھنے کا موقع فراہم کرتے ہیں۔ مغربی پیمانوں کے مقابلے میں ہمارے مشرقی پیمانے کیا ہیں؟ جنھیں ہم شعر و سخن کی پرکھ اور جانچ پڑتال کے لیے استعمال کریں۔ ہمارے یہاں کلاسیکی ادبی اصناف کو خلق کرنے والے ان اصناف سے کون سے ادبی کام نکال رہے تھے؟ یا پھر کس تصور کے پیشِ نظر وہ لکھ رہے تھے؟ ان تمام باتوں کا علم ہمیں تذکروں سے ہی حاصل ہوتا ہے۔

تذکروں کا ایک اور اہم پہلو ہے، جو ادبی تاریخ سے متعلق ہے۔ ادبی تاریخ کو قائم کرنے اور نئے پیمانوں پر اس کی بنیاد اٹھانے کا کام بھی تذکروں ہی سے انجام پاتا ہے۔ تذکرے ہی کلاسیکی ادبی روایت کا اولین سراغ ہیں۔ مختلف علاقوں اور زمانوں میں لکھے گئے تذکرے ہمیں ادبی تاریخ کا ایک تسلسل فراہم کرتے ہیں۔ وہ یہ بتاتے ہیں کہ ہر عہد کے تذکروں میں کون سے ایسے شعرا ہیں جو تواتر کے ساتھ مذکور ہوتے آئے ہیں۔ کس شاعر کا رنگِ شاعری کیا تھا؟ یا پھر وہ کس رنگ کے لیے معروف تھا؟ یہ سارے پہلو ہمیں تذکروں سے ہی معلوم ہوتے ہیں۔ تحقیق و تدوین کے سلسلے میں بھی تذکرے کار آمد ثابت ہوتے ہیں۔ وہ کسی شاعر کا زمانہ متعین کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ تذکروں میں نمونے کے طور پر درج اشعار کسی متن کی ترتیب و تدوین کے وقت تقابل کے کام آتے ہیں۔ مختلف تذکروں اور مخطوطوں کے تقابل سے ہمیں الحاقی یا اضافی کلام کی شہادتیں بھی حاصل ہو جاتی ہیں۔ ادبی تذکروں کی اہمیت و افادیت کا درست اندازہ کرنے کے لیے ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ اگر ان تذکروں سے تہی دامن ہوتے تو ہم اپنے کلاسیکی ادب کو تسلسل میں کس طرح دریافت کرتے۔ ظاہر ہے ادبی تاریخ کے بہت سے پہلو، شاعروں کے حالات اور ان کے تخلیقی خصائص سے ہم محروم

ہوتے۔ حنیف نقوی لکھتے ہیں:

> "تذکروں نے ایسے بے شمار فن کاروں کو بے نام و نشان ہونے سے بچا لیا ہے جن کے کارنامے یا تو کسی وجہ سے مدون نہ ہو سکے یا مدون ہونے کے بعد ضائع ہو گئے۔ فن کاروں کے اس زمرے میں سخن وروں کے پہلو بہ پہلو جن کے کلام کی فنی سطح زیادہ بلند نہیں، بعض ایسے اساتذہ بھی شامل ہیں جنھوں نے انتہائی نازک مرحلوں میں کاروانِ شعر و سخن کی قیادت کی ہے اور وہ اپنی کوششوں سے ایک نئے عہد کا سنگِ بنیاد رکھا ہے۔ اردو ادب کی تاریخ سے یہاں بطور مثال مصطفیٰ خان یکرنگ، خان آرزو، مرزا مظہر جانِ جاناں کے نام پیش کیے جا سکتے ہیں۔ ان اساتذہ کے کلام سے جو معدودے چند نمونے دستبردِ زمانہ سے محفوظ رہ کر ہم تک پہنچے ہیں وہ تذکروں ہی کے واسطے سے حاصل ہوئے ہیں۔"(۱)

تذکروں کی روایت ادبی تاریخ اور شاعری نہ صرف واقفیت کا بڑا ذریعہ ہے بلکہ اس نے ہماری شاعری کی تاریخ کو بہت سے الحاقات اور گھڑی ہوئی باتوں سے محفوظ رکھنے میں مدد دی ہے۔ بیاضیں اور کشکولیں جو اہلِ علم کے ذاتی شوق سے وجود میں آئیں ان کے اندراجات نے اختصار کے باوجود حقائق کو سامنے لانے اور روشن کرنے میں بڑی مدد کی۔ تذکروں نے اس معیار کو اور زیادہ اونچا کیا۔ وہاں احوال و کوائف قدرے تفصیل سے ہاتھ آنے لگے اور اس کے علاوہ جو اہم چیز تذکروں کے توسط سے ہاتھ آئی، وہ ہمارا مشرقی تنقیدی شعور ہے۔ کسی فن کار کے فن پاروں کے مجموعی کیف و کم کو چند جملوں میں سمیٹنے کی روش ہے۔ اس روش نے ایک مستقل تنقیدی نظام اور فن پاروں کی معیار بندی کا تصور ہمیں فراہم کیا۔ تذکرہ کا مطالعہ کیوں ضروری ہے؟ تذکروں میں موجود حقائق اور معلومات کی چھان بین بھی ایک ضروری امر

ہے۔ کسی واقعے یا شخص کی ادبی زندگی کے بارے میں محض جاننا کافی نہیں بلکہ دستیاب معلومات کے پایہ ثبوت کی جانچ اور آزمائش کریں۔ کسی؛ تذکرے میں دی گئی معلومات کسی حد تک درست ہیں اس کے اندر بطور متن شامل کیا گیا تخلیق کاروں اور شاعروں کا تخلیقی سرمایہ صحت متن کے اعتبار سے کسی حد تک قابلِ قبول ہے۔ تذکرے میں شامل اشخاص اور چھوڑ دیے جانے والے شاعروں کے درمیان تذکرہ نگار کی ترجیح اور عدم ترجیح کے اسباب کیا ہو سکتے ہیں۔ بعض اوقات تذکرہ نگار کی ترجیحات اور آراء علمی و تحقیقی نہ ہو کر ذاتی و شخصی ہوا کرتی ہیں ۔ تذکروں کی تحقیق و تنقید ان تمام پہلوؤں کو سامنے لاتی ہے۔

جب ہم ڈاکٹر عرفان عباسی کی تذکرہ شناسی پر نظر کرتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے تذکرے کے مطالعہ میں اپنے عہد کی تمام روش سے ہٹ کر الگ طریقے پر تحقیق کی ہے۔ ہمارے یہاں جدید تنقید کے نام نہاد غلغلے سے تذکروں کی طرف علمی حلقے کا التفات خاطر خواہ نہ رہا۔ اسے گراں قدر سرمایہ خیال کرنے کے بجائے معلومات کا ذخیرہ اور تنقیدی بصیرت سے خالی توصیفی جملوں کا مجموعہ خیال کیا جاتا رہا۔ تذکروں کے بارے میں بہت سی رائیں ایسی ظاہر اور عام کی گئیں جن سے تذکروں کی واقعی ہی اہمیت اور افادیت کا پہلو بے توجہی کا شکار ہوتا رہا اور تذکرے کم وقعت یا بے وقعت بھی خیال کیے جاتے رہے۔ تذکروں کے بارے میں اس زاویہ نظر کو تذکرہ نگاروں نے نہ صرف غلط ثابت کیا بلکہ تذکروں کے ٹھوس مطالعہ سے ادبی تاریخ کے لیے ان کی ناگزیر اہمیت اور مقامی و ہندوستانی تنقیدی شعور سے آگہی کے لیے ان کی لازمیت کو روشن کیا۔

بیسویں صدی کے اوائل میں جب ہماری تہذیب و تمدن، ثقافت، علمی، ادبی و ملی خدمات کی تاریخ اور تشخص سب کچھ خس و خاشاک کی طرح بہہ رہا تھا، خلوص و ایثار کی جگہ خود غرضی نے لے لی تھی، محنت و جدوجہد صرف اپنی ذات تک محدود ہو کر رہ گئی تھی اور اس دور میں تذکرہ نگاری جیسے اہم صنف سے بے توجہی برتی جارہی تھی جس کی وجہ سے اردو زبان و ادب سے تاریخ ادب کا خاصا بیش بہا اثاثہ نگاہوں سے اوجھل ہو رہا تھا، ایسی صورتِ حال میں عرفان عباسی صاحب ادبی جوہر پاروں کو فنا سے بچانے کے لیے اور انھیں صفحۂ قرطاس پر محفوظ کرنے کی کوشش میں تذکروں کی صورت ایک انسائیکلوپیڈیا ترتیب دینے میں مصروف ہیں۔ اس طرح تقریباً یہ پچاس سالہ جمود موصوف کے نوکِ قلم سے ٹوٹا۔ عباسی صاحب کے تذکرے ایک ہی نظر میں شعرا کا نام، تخلص، ولدیت، تاریخ، جائے ولادت، مطبوعہ مجموعہ

کلام کے نام، نمونہ کلام اور تصاویر کے عکوس مکمل معلومات کے احاطے کا حامل ہونے کی حیثیت سے انفرادیت کا تاثر دیتے ہیں، جبکہ بیشتر قدیم تذکرے اس قسم کی معلومات مہیا کرنے میں قاصر تھے۔بے شمار شعرا کے بنیادی حقائق وحالات نظروں سے اوجھل رہتے تھے ۔یہ التزام بہت کم تذکروں میں ملتا تھا۔ عباسی صاحب کے دور کے لاتعداد خوش فکر و قادرالکلام شعرا جو غیر معروف ہونے کے ناطے وفات کے بعد بھلا دیے گئے تھے، ان میں بیشتر کی سوانح عمری تو در کنار نام تک گمنام تھے۔اب وہ زبان زدِ خاص وعام ہیں اور ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں اور شعری خدمات کے پیشِ نظر ان کا ذکر کیے بغیر کوئی تذکرہ تاریخ اردو ادب مکمل نہیں ہو سکی۔اس سلسلے میں عرفان عباسی صاحب لکھتے ہیں:

> "اردو میں تنقید نگاری کی ابتدا عروج کے باوجود تذکروں کی افادیت و اہمیت میں فرق نہیں آیا، بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ تذکرہ نگاری کی جڑوں سے ہی تنقید کے کلے پھوٹ رہے ہیں۔ تنقید نگاری نے ترقی کی ہے لیکن ہمارے بیشتر نقاد اب تک نظریاتی حصار کو توڑ نہیں سکتے ہیں جب تک نظریاتی تنقید کی جگہ عملی تنقید نہیں لے لیتی، غیر جانبدارانہ طور پر تمام شعرا و ادبا بہ لحاظ حیثیت و مرتبہ احاطہ نہیں کیا جاتا، اس وقت تک ہی معلومات مہیا کرنے کا ذریعہ رہیں گے ۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم ایسے تذکرے مرتب کرتے رہیں۔"(۲)

تذکرہ نگاری کا آغاز اس وقت ہوا جب تاریخ ادب کا زیادہ جو د نہ تھا۔ ان تذکروں کی بدولت ہی ہم قدیم تمدن اور معاشرت سے روشناس ہیں۔ تاریخ ادب مرتب کرنے میں یہ اہم مآخذ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہندوستان میں تذکرہ نگاری کا آغاز ساتویں صدی ہجری میں ہوا۔ لکھنؤ میں بھی اپنے مخصوص مزاج کے مطابق انیسویں صدی کے نصف اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں کئی اہم تذکرے لکھے گئے۔ ان میں "سخن شعرا"(۱۸۷۴ء)، مصطفیٰ خان شیفتہ کا "گلشنِ بے خار" (۱۸۴۷ء)، میر محسن لکھنوی کا "سراپا سخن"(۱۸۶۱ء)، مولانا

حکیم سید عبدالحیٔ کا "گلِ رعنا"، مولوی عبدالحلیم شرر کا "گزشتہ لکھنؤ"، خواجہ عبدالرزاق عشرت کا تذکرہ "آبِ بقا"، شوکت تھانوی کا "شیش محل"، خواجہ عشرت کا "لکھنؤ کا دبستانِ شاعری"، "تذکرہ اردو مرثیہ"، "دبستانِ آتش"، "بیسویں صدی کے بعض لکھنوی ادیب اپنے تہذیبی پس منظر میں"، "قصیدہ نگارانِ اتر پردیش" اس سلسلے کی اہم کڑیاں ہیں۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی عرفان عباسی کے تذکرے ہیں۔ ان کے تذکروں میں "آپ" (تذکرہ شعرائے لکھنؤ)، لکھنؤ کے ۵۰ مرحوم شعرا کے احوال پر مشتمل ہے جو کہ اتر پردیش اردو اکادمی کے مالی اشتراک سے صفدر پریس لکھنؤ سے ۱۹۷۸ء میں شائع ہوا۔ دوسرا تذکرہ "آپ تھے" (تذکرہ شعرائے قصباتِ اودھ، حصہ اول، دوم) پہلی بار تنویر پریس لکھنؤ سے ۱۹۸۱ء میں شائع ہوا، جبکہ تذکرے کا دوسرا حصہ اتر پردیش اردو اکادمی کے مالی اشتراک سے نظامی پریس لکھنؤ سے ۱۹۸۵ء میں شائع ہوا جو کہ ۵۰ مرحوم شعرا (متوفی ۱۹۳۰ء تا ۱۹۸۴ء) کے خاکوں پر مشتمل ہے۔ تذکرہ ہٰذا کے تعارف اور اودھ میں اردو زبان و ادب کے آغاز و ارتقا کے علاوہ تاریخ اودھ کی بعض جھلکیوں کے سلسلے میں فاضل مصنف کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

> "زمانہ تیزی سے بدل رہا تھا لیکن شعرائے کرام بدلتے ہوئے سیاسی، سماجی حالات میں اپنی ادبی، معاشرتی و قدیم تہذیبی میراث کو قائم رکھتے ہوئے شعر و ادب میں نئی راہیں نکالتے رہے اور اودھ کے مخصوص و منفرد کلچر، وضع داری، زبان دانی، تہذیب و ثقافت کو اس طرح سینے سے لگائے رہے کہ بدلتے ہوئے حالات اس پر کسی حد تک اثر انداز نہ ہو سکے۔ زبان اردو کی داغ بیل ۱۷۲۲ء میں اس وقت پڑی جب نواب سعادت خان کے بعد یکے بعد دیگرے دس افراد مسند آرائے حکومت ہوئے اور تقریباً سوا سو سال تک اس صوبے میں علم و فن، شعر و سخن، عیش و عشرت، خوش حالی و فارغ البالی کی فضا طاری رہی۔ اسی دورِ حکومت میں اردو زبان

پروان چڑھی اور اودھ کے دارالسلطنت فیض
آباد لکھنؤ ہی نہیں بلکہ چھوٹے چھوٹے قصبات و
موضع عات نے بھی دنیائے ادب کو
لاتعداد باکمال مستند و قادرالکلام شاعر عطا کیے
جن کی جلائی ہوئی شمعوں نے دنیائے ادب کو
تابانی اور درخشندگی بخشی۔ ۱۸۵۴ء میں
انگریزوں نے آخری تاجدار اودھ واجد علی شاہ
کو معزول کر کے نوابین اودھ کے اقتدار کا خاتمہ
کر دیا اور سجی سجائی ادبی محفل رفتہ رفتہ اجڑنے
لگی۔''(۳)

پیشِ نظر تذکرہ ''آپ تھے'' میں موصوف نے جن شعرا کے خاکے بیان کیے ہیں، ان میں سے بیشتر کو انھوں نے بذاتِ خود دیکھا، ان سے ملاقات کی، ان سے ملنے جلنے اور گفتگو کرنے کا موقع ملا۔ لہٰذا راقم السطور تذکرہ ان کے رہن سہن، وضع قطع، جامہ ولباس اور گفت و شنید سے براہِ راست واقف نظر آتے۔ اس سلسلے میں ان کا یوں بیان ہے:

''یہ مجموعہ قصباتِ اودھ ان مرحوم شعرا کے
خاکوں پر مشتمل ہے جو ۱۹۳۰ء اور ۱۹۸۰ء کے
درمیان محفل شعر و سخن میں خلا چھوڑ کر راہی
ملک بقا ہو گئے۔ ان شعرا میں بیشتر ایسے ہیں جن
کو دیکھنے، ان سے گفتگو کرنے، ان کی محبتوں
سے فیض یاب ہونے اور ان کا کلام ان کی زبان
سے سننے کے مواقع نصیب ہوئے۔''(۴)

مصنف کے اس بیان سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ شعرا کے مذکور خاکے مصنف کے ذاتی مشاہدات، اصلیت اور صداقت پر مبنی ہیں۔ تذکرہ نگاری کے سلسلے میں تذکرہ نگاری کی تیسری کڑی ان کا تذکرہ ''آپ ہیں'' (اتر پردیش کے دو سو شعرا، جلد اول، دوم، سوم، چہارم) بالترتیب ۱۹۸۱ء، ۱۹۸۴ء، ۱۹۸۶ء اور ۱۹۸۸ء میں شائع ہوئیں۔ پانچویں جلد زیرِ ترتیب ہے۔ جلد اول اور دوم کی اشاعتوں کے درمیان جو شعرا رحلت فرما گئے تھے تذکرہ نگار

نے جلد دوم میں ایسے شعرا کے مقام پر دیگر موجود شعرا کو شاملِ تذکرہ کیا ہے۔ مصنف کے نزدیک اس کی خاص وجہ ہے کہ تذکرہ ہذا اترپردیش کے صرف موجود شعرا کا تذکرہ ہے۔ تذکرہ ''آپ ہیں'' میں متذکرہ شعرا مختلف مذاہب، عقائد، فرقوں اور مختلف مکاتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے ہیں جن تک تذکرہ نگار کی رسائی ان کی شعری تخلیقات اور ملک میں مختلف گوشوں میں منعقد ہونے والے مشاعروں کے ذریعہ سے ہوئی تذکرہ نگاری کے ابتدائی دور میں تذکرے مخصوص حلقوں، مقامات و افراد کے ذکر تک محدود تھے لیکن عہد بہ عہد تذکروں کی افادیت و اہمیت بڑھتی گئی اور اندراجات میں وسعت پیدا ہوتی گئی۔ پیشِ نظر تذکرے کی ترتیب کے ضمن میں فاضل مصنف کا یوں بیان ہے:

> ''آپ ہیں'' کی ترتیب کا مقصد صرف موجود شعرا کے بنیادی حقائق محفوظ کر دینا ہے تا کہ مستقبل کا محقق و مؤرخ ان کے سوانحی اشاروں کی مدد سے اپنی تحقیق کا کام آگے بڑھا سکے۔ اس تذکرہ کے بیشتر مندرجات خود شعرا نے فراہم کیے ہیں۔ اس لیے وہ مستند ہیں جو شعرا توجہ نہیں فرما سکے ان کے سوانحی اشارے مستند مطبوعہ کتب، رسائل و مضامین سے اخذ کیے گئے ہیں۔''(۵)

سلسلہ تذکرہ نگاری میں فاضل مصنف کا چوتھا تذکرہ ''تذکرہ شعرائے اترپردیش'' ۳۵ جلدوں کو محیط ہے۔ پچیسویں جلد جو کہ ایس ایچ آفسیٹ پرنٹرس دہلی سے ۲۰۱۰ء میں اشاعت ہوئی، میں مصنف تذکرہ لکھتے ہیں:

> ''تذکرہ شعرائے اترپردیش '' کی پچیسویں (۲۵) جلد پیشِ خدمت ہے، یہ بھی بہ اعتبار حروفِ تہجی ترتیب دی گئی ہے اور حسب سابق اتر پردیش کے مختلف اضلاع و گوشوں سے تعلق رکھنے والے اپنے دور کے ادبی و علمی حلقوں میں شعرا جن کی وفات ۱۹۳۰ء کے بعد

ہوئی ان میں سے پچاس (۵۰) مرحومین کے
حالات و کلام اور دستیاب ہونے والی تصاویر کے
عکس اور یادوں پر مشتمل ہے۔"(۶)

آزادی کے بعد کے تذکراتی ادب کا جائزہ لیا جائے تو ڈاکٹر عرفان عباسی کا یہ تذکرہ اتر پردیش کے ۲۰۱۰ء تک کے تمام متذکرہ مرحوم شعرا کے تراجم پر مشتمل ہے۔ تذکرہ نگاری کو موضوع بنا کر شعرا کے حالات ان کی تحریروں کے عکس حتی المقدور ان کی تصاویر اور ان کے کلام کے نمونے پر جس انداز میں فاضل مصنف نے قلم اٹھایا، کسی نے اس سے پہلے نہیں اٹھایا تھا۔ "تذکرہ شعرائے اتر پردیش" کی ہر جلد میں مختلف گوشوں سے تعلق رکھنے والے (۵۰) مرحوم شعرا کے حالات و کلام بہ لحاظ حروفِ تہجی ترتیب دیے گئے ہیں۔ تذکرے میں مذکورہ ایسے شعرا و ادبا بھی تھے جن کے کلام اور تحریروں میں پختگی اور ندرت تھی۔ ان معروف قلم کاروں کی جانب توجہ ایک فطری امر تھا۔ ڈاکٹر عرفان عباسی نے ان کا ذکر کر کے نہ صرف انھیں گمنام ہونے سے بچایا بلکہ ان کے معیاری اور زندگی سے بھرپور ادبی اثاثے کی افادیت کو پوری دنیا کے سامنے روزِ روشن کی طرح انمول اور واضح کر دیا۔ ان میں اکثریت ایسے شعرا کی ہے جنھیں مصنف نے نہ صرف دیکھا بلکہ ان سے نشست و برخاست، گفت و شنید اور شرفِ ہم کلامی سے بھی مشرف ہوئے ہیں۔ عرفان عباسی صاحب کا تذکرہ "دبستانِ امیر مینائی" جس کا پہلا ایڈیشن فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی کے مالی تعاون سے نظامی پریس لکھنؤ سے ۱۹۸۵ء میں منظرِ عام پر آیا۔ اس تذکرے میں امیر مینائی کے ۲۰۴ تلامذہ کے تراجم پیش کیے گئے ہیں۔ امیر مینائی کے تلامذہ کا یہ تذکرہ کافی ضخیم ہے۔ اس میں عباسی صاحب نے امیر مینائی کی سوانح بھی تحریر کی ہے اور ان کی شاعری کے حوالے سے اور نجی زندگی کے تعلق سے بھی بہت سی ضروری باتیں تحریر کی ہیں اور آخری صفحات میں امیر مینائی کے کلام کا انتخاب بھی پیش کیا ہے۔ یہ تذکرہ امیر مینائی اور ان کے تلامذہ کے تعلق سے ایک بے مثال دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ فاضل تذکرہ نگار امیر مینائی کے متعلق لکھتے ہیں:

"امیرؔ صاحب نہایت زود گو، زبان و بیان پر قادر
، پختہ مشق شاعر اور غزل کے نامور استاد
تھے۔ ان کے ابتدائی دور کے کلام میں اساتذۂ
لکھنؤ، اثرؔ اور ناسخؔ کے رنگ کی جھلک موجود ہے

اور وہ فکر کے بلندی اقبال کی گہرائی ،متانت ، سنجید گی، لطافت و رنگینی، فصاحت و روانی، زبان کی صفائی، اخلاقی مضامین اور جذبات نگاری کی خوبیوں سے مرصع ہے۔ اس پر تصوف کی گہری چھاپ ہے اور معرفت و حقیقت کے مضامین حسن و خوبی کے ساتھ موجود ہیں۔ کلام میں اس وقت کی لکھنوی شاعری کی رعایتِ لفظی ، صنعت گری ، عریانی اور بازاری زبان کے استعمال کے ساتھ ہے۔ حضرت امیر مینائی دبستانِ لکھنؤ کے آخری استاد تھے۔ انھوں نے قدیم لکھنوی شاعری کی روایات سے انحراف کر کے ایک نیا اور منفرد رنگِ شاعری ایجاد کیا جس میں لکھنؤ، دہلی اسکول کی خصوصیات کا بہترین امتزاج ملتا ہے۔ ویسے تو امیر مینائی صاحب ابتدائے شاعری سے ہی لکھنوی شاعری کی روایت سے ہم آہنگ نہیں تھے لیکن رامپور پہنچنے کے بعد جہاں لکھنؤ ،دہلی اسکول کے نامور استاد موجود تھے اور ان کے فیوض سے زبان و بیان کی ادبی محفلیں روشن تھیں، ان کا وہ رنگ چمکا۔"(۷)

"دبستانِ امیر مینائی" میں ایسے تلامذہ کا ذکر ہے جنھیں باقاعدہ امیر مینائی سے مشرف و تلمذ حاصل تھا اور جن کے کلام پر امیر مینائی کی اصلاحیں بھی پائی جاتی ہیں۔ ان کے علاوہ ایسے تلامذہ کا بھی ذکر موجود ہے جو باقاعدہ طور پر استاد امیر مینائی سے شرفِ تلمذ حاصل نہیں کر سکے تھے لیکن موقع بہ موقع مشورۂ سخن کر لیا کرتے تھے۔ ان میں سے بیشتر تلامذہ امیر مینائی سے قبل دیگر اساتذۂ فن کے سامنے زانوئے ادب تہہ کر چکے تھے اور بعض ایسے تلامذہ بھی ہیں جنھوں نے امیر مینائی کے بعد دوسرے اساتذہ کے سامنے بھی زانوئے ادب تہہ کیا۔ اس کے

ساتھ ہی تلامذہ امیر مینائی میں متعدد ایسے شعرا بھی ہیں جن کے خاندان کے بیشتر افراد نے امیر مینائی سے کسبِ فیض کیا تھا۔

تذکرہ "نثر نگارانِ اردو" بھی عباسی صاحب کے دیگر تذکروں کی طرح نہایت جامع اور بہترین تذکرہ ہے۔ کئی سو قلم کاروں کے سوانحی حالات اور ان کی ادبی خدمات پر مشتمل ہے۔ اس لحاظ سے موصوف کے تذکرے شخصی مطالعے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ البتہ ان تذکروں کی بابت ایک بڑے نقص کی جانب اشارہ بھی ضروری ہے کہ تذکرہ نگار نے صنفِ تذکرہ نگاری اور خاکہ نگاری کو ایک ہی صنف تسلیم کرتے ہیں ۔یہی وجہ ہے کہ ان کے تذکروں میں متضاد بیانات جگہ جگہ پائے گئے ہیں۔ مثلاً ان کے الفاظ (۵۰) مرحوم شعرا کے خاکے اور شعرا کے یہ تذکرے وغیرہ ان کے دیگر تذکروں "آپ" (تذکرہ شعرائے لکھنؤ) ۱۹۷۸ء ،"آپ تھے" (شعرائے قصباتِ اودھ)۱۹۸۱ء،"آپ ہیں"۱۹۸۸ء نیز تراجم شعرائے اتر پردیش کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ فاضل مصنف سراپا نگاری، مرصع نگاری اور سیرت بیانی کو ہی خاکہ نگاری کو متصور کرتے ہیں۔ جب کہ مذکور عناصر تذکرہ نگاری کے اجزا میں شامل ہیں۔ جنھیں کوئی بھی تذکرہ نگار فراموش نہیں کر سکتا۔ مزید یہ کہ موصوف کا طرزِ بیان بھی بڑی حد تک تذاکراتی نوعیت کا حامل ہے۔ اسی لحاظ سے صاحبِ تذکرہ شعرا کے ان تراجم کو ادبی خاکوں سے منسوب کرنا کسی طرح مناسب نہیں۔ البتہ فاضل مصنف نے شعرا کے خط و خال اور لباس کی جو تصویر کشی کی ہے وہ مکمل، دل چسپ اور واضح ہے۔

علاوہ ازیں نہ صرف شعرا کی تصویر کشی اور سیرت نگاری پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کے کلام اور ادبی خدمات پر تبصرہ بھی کیا ہے اور شعروں کی مدد سے شعرا کے کلام کو کافی حد تک سمجھا جا سکتا ہے جس سے تذکرہ نگار کے تنقیدی شعور پر بہ خوبی روشنی پڑتی ہے۔ ان تذکروں میں ڈاکٹر عرفان عباسی کے مذکور خاکے ادبی و تاریخی نقطہ نظر سے بہت اہم ہیں۔ ان خاکوں میں بیان کی صداقت اور اسلوب کا حسن موجود ہے۔ انھوں نے سادہ اور سلیس زبان میں شعرا کی صورت، سیرت اور شاعری کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ان کی نثر میں روانی اور شگفتگی پائی جاتی ہے۔ کہیں کہیں تشبیہات کی حسین لڑیاں بکھری ہوئی نظر آتی ہیں۔ ان کی تحریریں واضح اور روشن ہیں، کوئی خیال مبہم اور دھندلا پن نہیں پایا جاتا۔ تاریخی اہمیت کے لحاظ سے ان خاکوں میں قدیم اتر پردیش کی تہذیب کا عکس نظر آتا

ہے۔ خصوصاً لکھنؤ کا لباس، گفتگو، رہن سہن، نشست و برخاست اور مشاعروں پر اچھی خاصی روشنی پڑتی ہے۔ طنز و تعریض اور بے جا تعریف سے گریز کیا گیا ہے۔ ذاتی معلومات کے علاوہ شعرا کے اذکار ان کے سوانحی حالات، خدمات، کلام کی تفصیل و اختصار مختلف ذرائع سے مواد کی فراہمی سے ماخوذ ہیں جس ذریعہ سے جس قدر تفصیلات فراہم ہوئیں درج کر دی گئی ہیں۔ اس میں مصنف کی رائے کا عمل دخل نہیں اور نہ ہی مرحوم شعرا کی شاعرانہ حیثیت کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ عابد سہیل فاضل تذکرہ نگار کو داد دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''محترم جناب عرفان عباسی یہ کام نہایت خاموشی اور دل جمعی کے ساتھ ایک عرصہ سے کر رہے ہیں اور ان کی کاوشیں نقادانِ ادب سے داد وصول کر رہی ہیں لیکن ان کو اصل داد تو آنے والی نسلوں سے ملے گی جن کے لیے ان شعرا کو جاننے، ان کے کلام سے استفادہ کرنے، عباسی صاحب کی کاوشوں کے علاوہ سارے راستے مسدود ہو چکے ہوں گے۔''(۸)

فاضل مصنف و تذکرہ نگار کی مذکورہ بالا قابلِ تحسین کاوش و جستجو نے بہت سے ایسے غیر معروف شعرا کو مشہور و معروف شعرا کے دوش بدوش لا کھڑا کیا جو اس وقت تک اہلِ نظر حضرات کی سرد مہری اور بے اعتنائی کے سبب گوشہ گمنامی میں پڑے ہوئے تھے۔ اس لحاظ سے موصوف کے تذکرے تذکرہ نگاری کے میدان میں تاریخی و ادبی اہمیت کے حامل ہیں، جن کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

حوالہ جات

۱۔ حنیف نقوی، شعرائے اردو کے تذکرے: نکات الشعرا سے گلشنِ بے خار تک، (لکھنؤ: اتر پردیش اردو اکادمی، ۱۹۹۸ء) ۳۵

۲۔ عرفان عباسی، ڈاکٹر، آپ ہیں، حصہ چہارم، (فیصل آباد: نشاط پریس ٹانڈہ، ۱۹۸۸ء) ۱۳

۳۔ عرفان عباسی، ڈاکٹر، آپ تھے(تذکرہ شعرائے قصباتِ اودھ)، حصہ اول، (لکھنؤ: تنویر پریس، ۱۹۸۱ء)۱۳۔۱۴

۴۔ ایضاً، ص:۱۴

۵۔ عرفان عباسی، ڈاکٹر، آپ ہیں، حصہ سوم، (لکھنؤ: سرفراز پریس، ۱۹۸۶ء)۱۱۔۱۲

۶۔ عرفان عباسی، ڈاکٹر، تذکرہ شعرائے اتر پردیش، جلد ۲۵، (لکھنؤ) ایس۔ ایچ آفسیٹ پرنٹرس، ۲۰۱۰ء، ص:۲۳

۷۔ عرفان عباسی، ڈاکٹر، دبستانِ امیر مینائی، (لکھنؤ: نظامی پریس، پہلا ایڈیشن، ۱۹۸۵ء)۱۸

۸۔ عرفان عباسی، ڈاکٹر، تذکرہ شعرائے اتر پردیش، جلد ۲۵، ص:۱۲۵۔۱۲۶